کتاب نما

عالم اسلام کی اخلاقی صورت حال، اسرار عالم۔ ناشر: قاضی پبلی شرز، دہلی۔ صفحات: ۲۵۵۔ قیمت: درج نہیں۔

زیر نظر معلوماتی کتاب سے مصنف کے مطالعے کی وسعت اور گہرائی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ مگر یہ سمجھنا مشکل ہے کہ کتاب کا اصل موضوع کیا ہے؟ کتاب میں عالم اسلام اور عالم عیسائیت کی تاریخ کے وہ سب واقعات بیان کیے گئے ہیں جو مصنف کے خیال میں یہودی سازشوں کا نتیجہ تھے۔ ان کے خیال میں قدیم دور کے بہت سے، اور جدید دور کے تقریباً سب اہم واقعات کسی نہ کسی "یہودی سازش" کا نتیجہ ہیں۔ اس حوالے سے کتاب میں ایشیا اور یورپ کی گذشتہ ہزار سالہ تاریخ کا اچھا خاصا خلاصہ آگیا ہے۔ یہ تاریخی جائزہ انگریزی، عربی، فارسی، لاطینی، فرانسیسی اور جرمن کتب کے مستند حوالوں سے مزین ہے۔ معلومات کے اس ذخیرے کو "عالم اسلام کی اخلاقی صورت حال" کا عنوان دینے کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ مصنف کے خیال میں عالم اسلام کی موجودہ اخلاقی ابتری کی اصل وجہ داخلی نہیں خارجی ہے، یعنی یہودی سازشیں۔ اس توجیہ کے حق میں عقلی دلائل دینے کے بجائے مصنف نے مبینہ یہودی سازشوں کی ایک طویل داستان سنانے کو ترجیح دی ہے۔

یوں کتاب کا اصل موضوع عالم اسلام اور عالم عیسائیت کے خلاف یہودی ریشہ دوانیوں کا بیان ہے، اور کتاب کی قدر و قیمت بھی اسی حوالے سے بنتی ہے۔ خصوصاً عقلیت، انسانیت، ترقی اور فیشن کے خوبصورت لبادوں میں سیکولرائزیشن کا عمل جس طرح آگے بڑھایا جاتا رہا ہے، مصنف نے اس کا پول کھول دیا ہے۔ وہ ثابت کرتے ہیں کہ ان حوالوں سے پیش کیے جانے والے افکار اتنے "معصوم" اور "بے ضرر" نہیں ہوتے جتنے اکثر جدید تعلیم یافتہ افراد خیال کرتے ہیں۔ مصنف کا دعویٰ ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد کی چند صدیوں کے دوران یہودی، مسلمانوں کو عقلیت کے نام پر سیکولرائز کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر ناکامی ہونے پر انھوں نے پہلے عیسائیوں اور پھر منگولوں کو عالم اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے پر آمادہ کیا۔ پھر انھوں نے مغربی یورپ کو سیکولرائز کرنے کی کوشش کی۔ مصنف کے خیال میں یورپ اور امریکہ کی موجودہ ترقی عالم عیسائیت کے خلاف یہودی سازشوں کا نتیجہ ہے۔ انھوں نے اس فطری سوال کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ یہ کیسی "سازش" ہے جس نے یہودیوں کے دشمنوں ___ یعنی عیسائیوں ___ کو مادی

ترقی سے ہم کنار کیا، قانون کی حکمرانی کا علم بردار بنایا اور نظم و ضبط اور سلیقہ سکھایا۔ دراصل مصنف مادی ترقی وغیرہ کو بالکل ہی درخور اعتنا نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک اصل اہمیت صرف اور صرف اس بات کی ہے کہ گذشتہ چند صدیوں میں یورپ اپنے روحانی سرمائے سے محروم ہو گیا، اور بقول مصنف: یہ یہودیوں کا عیسائیوں سے انتقام تھا!

کتاب کے آخری حصے میں یہ بحث کی گئی ہے کہ روحانیت سے تہی دامن جدید مغرب یہودیوں کا کارندہ بن کر کس کس طرح عالم اسلام کو بھی اس کے روحانی ورثے سے محروم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ خاتمہ کلام میں مصنف نے اس توقع کا اظہار کیا ہے کہ "اب روئے ارض پر خلافت اسلامیہ کی بحالی دور نہیں!"

کتاب میں انسانی تمدن کی ہر ترقی کو یہودی سازش قرار دینے کا رجحان نمایاں ہے۔ مصنف عقلیت، سائنس اور بزنس (تجارت) کا ذکر بھی بطور ایک یہودی سازش کے کرتے ہیں۔ یوں سائنس بیزاری میں وہ سید حسین نصر، ضیاء الدین سردار اور پروفیسر عبدالقدیر سلیم کے ہم نوا نظر آتے ہیں۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک اصلاح بھی ان کے خیال میں سیکولرائزیشن کی توسیع کے عمل کا حصہ تھی۔

یہ کتاب اپنی تمام تر خوبیوں کے باوجود مندرجہ ذیل خامیوں کے باعث کسی نئے فلسفہ تاریخ کی بنیاد رکھنے میں ناکام رہے گی:

۱۔ اس کتاب میں عالم اسلام اور عالم عیسائیت میں پھیلائی جانے والی مختلف گمراہیوں کا تذکرہ تو ہے، مگر اس بات کا جائزہ لینے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی کہ وہ کون سے داخلی رجحانات تھے جن کے باعث مختلف اقوام نے مذکورہ خیالات کو متعلقہ ادوار میں پذیرائی بخشی۔ مثلاً مصنف لوتھر اور کالون کے ہاتھوں برپا ہونے والی یورپ کی تحریک اصلاح مذہب (Reformation) کی تاریخ بیان کرنے کے بعد اسے یہودی سازش قرار دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ پروفیسر عبدالحمید صدیقی نے اپنی کتاب "مذہب اور تجدید مذہب" میں بھی تحریک اصلاح مذہب پر بھرپور تنقید کی ہے۔ مگر اسرار عالم صاحب کے برعکس صدیقی صاحب خارجی کے ساتھ ساتھ داخلی عوامل کو بھی مدنظر رکھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: "مذہبی طبقوں کی دنیا پرستی (اور بے دانشی) نے کلیسا اور خانقاہوں کی حالت کو اخلاقی اور دینی اعتبار سے کافی حد تک تباہ کر دیا تھا، اور صورت حال کی اصلاح ناگزیر تھی۔ لیکن لوتھر کے ہاتھوں اصلاح مذہب کی جو تحریک اٹھی اس نے حالات کو سنوارنے کے بجائے انھیں مزید خراب کیا"۔ ہو سکتا ہے اسرار عالم صاحب لوتھر کو یہودیوں کا ایجنٹ سمجھنے میں حق بجانب ہوں، مگر صورت حال کا تجزیہ کرنے میں انھیں یہ بات نظرانداز نہیں کرنی چاہیے تھی کہ اس وقت عیسائیت میں اصلاح کی ایک فطری طلب بہرحال موجود تھی، اور اگر یہ اصلاح یہودی ایجنٹ نہ بھی کرتے تو کوئی اور کرتا۔ اسی طرح عالم اسلام کے خلاف جن یہودی سازشوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ تو جراثیم کی طرح ہیں، مگر اصل سوال یہ ہے کہ عالم اسلام کی مدافعاتی قوت رفتہ رفتہ اتنی کم کیوں ہو گئی کہ یہ جراثیم مسلمانوں کا اخلاق تباہ کرنے

میں کامیاب ہو گئے۔ یہ سوال اس وجہ سے بھی اہم ہے کہ مصنف نے خود اس بات پر بہت زور دیا ہے (ص ۳۱) کہ ایک وقت میں عالم اسلام کی یہ مدافعاتی قوت اس قدر تھی کہ یہودی تین سو سالہ کوششوں کے بعد ناکام ہو کر عالم اسلام سے بھاگنے پر مجبور ہوئے۔

۴۔ نتیجہ تاریخ کے طور پر یہ بات منوانا بڑا مشکل ہے کہ "یہودی کسی ایک کمرے میں بیٹھ کر کی گئی منصوبہ بندی کے مطابق سیکڑوں سال تک یورپ کو ایک مرکز سے کنٹرول کرتے رہے ہیں"۔ اس قسم کے دعوئی کو ثابت کرنے کی، مصنف کی کوششوں، کی ناکامی کی مثال یہ ہے کہ صفحہ ۳۷ پر وہ یہ مشہور خیال پیش کرتے ہیں کہ موجودہ عیسائیت کا حقیقی بانی سینٹ پال ایک ایسا یہودی تھا جس نے دانستہ عیسائیت کو غلط رخ پر ڈالا۔ مگر صفحہ ۴۰ پر وہ بتاتے ہیں کہ پندرھویں صدی عیسوی میں یہودیوں نے اسی سینٹ پال پر رکیک حملوں کو رواج دیا۔ اگر یہودیوں کی منصوبہ بندی اتنی ہی سوچی سمجھی تھی تو آخر انھوں نے اپنے ہی ایجنٹ پر اس طرح تنقید کیوں کی؟ ___ یہودیوں کے فتنہ پرداز مزاج کو سامنے لانا بے شک مصنف کا ایک کارنامہ ہے، مگر اس قوم کی صلاحیتوں کو مافوق الفطرت قرار دینے کے لیے ان کے پاس کافی دلائل نہیں۔ (ڈاکٹر بلال محمود)

اردو، سرکاری زبان، چودھری احمد خان (علیگ)۔ ناشر و مصنف، ۴۸۳، این سمن آباد، لاہور۔ صفحات: ۳۶۰۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔

پاکستان، اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا، مگر "اسلامی جمہوریہ پاکستان" میں انفرادی و اجتماعی اور نجی و سرکاری و حکومتی سطح پر اسلام کے ساتھ افسوس ناک سلوک روا رکھا گیا، یہ ایک دردناک داستان ہے ___ حصول پاکستان کے مقاصد کے حوالے سے دوسری دکھ بھری کہانی اردو زبان کی ہے۔ قائداعظم نے اپنی تقریروں میں بارہا زور دے کر اعلان کیا کہ "پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہو گی" مگر قائداعظم کے جانشینوں اور پچاس سال میں، وطن عزیز کے اقتدار و اختیار پر قابض سیاست دانوں اور افسروں نے اردو زبان کے بارے میں قائداعظمؒ کے ارادوں کو ناکام بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ زیر نظر کتاب پاکستان میں اردو زبان کی ترویج و نفاذ کی یہی دردناک داستان پیش کرتی ہے۔

چودھری احمد خان (پ: ۱۹۲۰) ۱۹۸۰ میں ڈپٹی اکاؤنٹنٹ جنرل پنجاب کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ وہ ایک طویل عرصے سے نفاذ اردو کے لیے کوشاں چلے آ رہے ہیں۔ ۱۹۷۳ کے آئین پاکستان میں طے کیا گیا تھا کہ ۱۴ اگست ۱۹۸۸ تک اردو کو سرکاری اور دفتری زبان کی حیثیت سے رائج کر دیا جائے گا مگر: "خوے بدرا بہانہ ہاے بسیار"۔ آئین کے آرٹیکل ۲۵۱ (ا) کی مسلسل خلاف ورزی ہو رہی ہے اور نفاذ اردو کا خواب ہنوز شرمندۂ تعبیر ہے۔ ہماری ذہنی، تعلیمی، علمی، سائنسی اور انتظامی پس ماندگی کا ایک اہم سبب انگریزی زبان کے

بہ ہر اعتبار بے جواز تسلط کا ہے۔ قومی زبان کو اس کا جائز آئینی حق دلانے کے لیے، چودھری احمد خاں صاحب نے، ڈاکٹر سید اسعد گیلانی مرحوم کی اعانت و رفاقت میں اور جناب ارشاد احمد قریشی ایڈووکیٹ کی رہنمائی میں اپنا بہت سا قیمتی وقت صرف کر کے کئی ماہ کی محنت شاقہ کے بعد ۳۸۵ صفحات پر مشتمل آئینی درخواست تیار کی اور اکتوبر ۱۹۸۸ میں اسے سپریم کورٹ میں داخل کیا۔ مذکورہ آئینی درخواست کے عدالتی سانچے کو بدل کر، حذف و اضافوں اور بعض ترامیم کے بعد، اسے زیر نظر کتاب کا باب اول بنا دیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں اردو زبان سے متعلق علمی، تعلیمی اور لسانی معلومات اور مباحث شامل ہیں، مثلاً غیر ممالک میں اردو، اردو میں اصطلاحات، پہلی جماعت سے لازمی انگریزی تدریس، اردو یونی ورسٹی، علامہ اقبال اور انگریزی تعلیم، مقتدرہ قومی زبان اور اس کی مطبوعات، اردو زبان اور ہمارے تعلیمی کمیشن، قومی اسمبلی میں اردو بل، افواج پاکستان اور اردو، اردو سرکاری زبان بنوانے کے لیے ہم کیا کریں؟ وغیرہ۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر بیش قیمت معلومات کا ایک خزینہ ہے۔ یوں سمجھیے اردو زبان، خصوصاً نفاذ اردو سے متعلق جملہ امور کا ایک دائرہ معارف (انسائیکلوپیڈیا) ہے۔

اس کتاب سے بہت سی دلچسپ باتیں سامنے آتی ہیں، مثلاً مقتدرہ قومی زبان کے ایک جائزے (۱۹۸۸) کے مطابق گریڈ ۲۰ سے اوپر والے سرکاری افسروں میں سے کسی کا بیٹا یا بیٹی اردو میڈیم سکول میں نہیں پڑھتے۔ گریڈ ۲۱ سے اوپر والے افسران کی بیگمات نے ذریعہ تعلیم کے بارے میں کہا: یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے ہماری اولاد تو امریکہ، برطانیہ اور دوسرے ممالک میں پڑھ کر برسر روزگار ہو چکی ہے (ص ۳۰۸)۔ ہماری ذہنی غلامی (اور اس کے نتیجے میں شدید احساس کمتری کے مقابلے میں) زندہ قومیں، اپنی شناخت کو برقرار رکھنے کا اہتمام کرتی ہیں، مثلاً فرانس میں، ایسے انگریزی الفاظ کے استعمال پر قانوناً پابندی ہے جن کے متبادل فرانسیسی موزوں الفاظ موجود ہیں۔ خلاف ورزی پر ساڑھے تین ہزار ڈالر جرمانے کی سزا ہے۔ پابندی لگنے والے الفاظ میں روز مرہ بول چال کے "برگر" "کوکا کولا" اور "فاسٹ فوڈ" جیسے الفاظ بھی شامل ہیں۔ فرانس کے وزیر قانون نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ اس قانون کا مقصد فرانس کی ثقافت اور زبان کو غیر ملکی یلغار سے بچانا ہے (ص ۳۰۹)۔ حال ہی میں خبر آئی ہے کہ ایران نے بھی اپنے ہاں ایسا ہی ضابطہ بنا لیا ہے۔ اب ستم ظریفی ملاحظہ کیجیے کہ ایک نوجوان چین سے اردو سیکھنے پاکستان آیا۔ ایک سال بعد وطن لوٹتے ہوئے اس نے کہا کہ میں نے پاکستان میں رہ کر اردو کے مقابلے میں انگریزی زیادہ سیکھی ہے۔ کیوں کہ پاکستانی مجھ سے زیادہ تر انگریزی میں گفتگو کرتے تھے۔ اس طرح میری انگریزی بول چال بہت رواں ہو گئی ہے (ص ۳۱۱)۔

چودھری احمد خاں صاحب کی مادری زبان پنجابی ہے مگر وہ قومی زبان کے نفاذ کے لیے اپنے محدود وسائل کے ساتھ اور باایں پیرانہ سالی تن من دھن سے کوشاں ہیں۔ یہ کتاب بھی انھوں نے خود شائع کی ہے۔ ان کی یہ سب محنت کاوش و خدمت قابل داد و تحسین ہے اور ایک لحاظ سے نفاذ اردو کے لیے مولوی عبدالحق اور

ڈاکٹر سید عبداللہ کی جدوجہد کو آگے بڑھانے کی ایک کڑی ہے۔ وہ سید صاحب کی نفاذ اردو تحریکوں میں بھی شامل رہے ہیں۔ ایک جگہ بتایا ہے کہ انھوں نے قومی اسمبلی سے اردو بل پاس کرانے کے سلسلے میں اس وقت کے وزیراعظم نواز شریف کو کئی خط ارسال کیے مگر کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ اس پر انھوں نے لکھا: "قائداعظم آپ سے زیادہ مصروفیات کے باوجود ہر کسی کو خط کا جواب فوری طور پر دیا کرتے تھے"۔ (ص ۳۹۳)۔

چودھری احمد خاں صاحب نے زیر نظر کتاب کی صورت میں ایک وقیع اور جامع دستاویز مرتب کی ہے' جو قومی زبان اردو اور پاکستان میں اس کے نفاذ کے سلسلے میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ (ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی)

اقبالیات نذیر نیازی' عبداللہ شاہ ہاشمی ۔ ناشر: اقبال اکادمی پاکستان' ایوان اقبال' لاہور۔ صفحات: ۳۲۳۔ قیمت: ۳۰۰ روپے۔

سید نذیر نیازی' جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے طالب علم اور بعدازاں وہاں معلم رہے۔۔۔ ان کی زندگی کا باقی عرصہ بھی معلمی اور تصنیف و تالیف میں گزرا۔ وہ علامہ اقبالؒ کے قریبی دوست اور رفیق تھے جنھیں بیس برس تک اقبال کی خدمت میں حاضری اور ان کے افکار سے خوشہ چینی کا موقع ملا۔ اقبال کے معروف اور ادق انگریزی خطبات کا اردو ترجمہ نیازی مرحوم ہی کی کاوش تھی (تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ' بزم اقبال' لاہور' ۱۹۵۸ ومابعد)۔

عبداللہ شاہ صاحب نے اقبال پر ان کے بیس سوانحی اور توضیحی و تنقیدی مضامین کو تلاش و جمع کر کے مرتب کیا ہے۔ پہلے حصے کے سوانحی مضامین سے اقبال کی شخصیت کے بعض دلچسپ پہلو سامنے آتے ہیں۔ ایک جگہ نیازی صاحب لکھتے ہیں: "انھیں دیکھ کر یہ خیال نہ ہوتا تھا کہ وہ بڑے آدمی ہیں یا بڑے فلسفی یا بڑے شاعر یا بڑے سیاست دان ہیں یا بڑے مومن ہیں حالانکہ وہ سب کچھ تھے اور بہت عظیم تھے۔ وہ بہت بڑے مسلمان تھے اور تکلف و تصنع سے پاک ایسے بے ریا انسان تھے جن کا دل صرف عالم اسلام کے لیے ہی نہیں' رحمت اللعالمینؐ کے اتباع میں بنی نوع آدم کے لیے دھڑکتا تھا۔ میں نے مولانا محمد علی جوہرؒ اور علامہ اقبالؒ کی شخصیتوں کو ایک دوسرے کے بہت قریب پایا۔ ان کی قوت ایمانی' جذبہ جہاد اور فکر متین۔ ہمہ وقت علامہ اقبالؒ کا ذہن اسلام اور مسلمانوں پر مرکوز رہتا تھا۔ اسلام عین حیات ہے۔ دنیا کو شر و فساد' شقاوت اور بدبختی سے نجات حاصل کرنے کے لیے اسلام کی کس قدر ضرورت ہے اور اس کے لیے اسلام کی دعوت' اس کے معنی و مقصود' تعلیمات اور تشریحات کی عملاً ترجمانی' تشریح اور توضیح کی کس قدر ضرورت ہے؟ حضرت علامہ رہ رہ کر اسلام اور مسلمانوں کا ذکر چھیڑتے' رہ رہ کر کسی خیال میں ڈوب جاتے —

قراری کے عالم میں اٹھ بیٹھتے اور یااللہ کا ورد کرتے۔ اس دل سوزی اور بے قراری کے باوجود علامہ صاحب مسلمانوں کے تابناک مستقبل کے بارے میں پرامید تھے"۔ (ص ۱۸-۱۹)

ایک مضمون میں ان کی آخری علالت کے چشم دید حالات و واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ "علامہ اقبال اور مولانا مودودیؒ" میں نیازی صاحب نے اقبال سے چودھری نیاز علی کی ملاقات کا چشم دید واقعہ بیان کیا ہے کہ چودھری نیاز علی قلعہ جمال پور (نزد پٹھان کوٹ) میں اپنے وقف کے لیے مناسب و موزوں علما کی تلاش میں تھے۔ اس سلسلے میں وہ اقبال سے ملاقات و رہنمائی کے لیے "جاوید منزل" آئے اور اپنا مدعا بیان کیا۔ علامہ نے ایڈیٹر "ترجمان القرآن" مولانا مودودیؒ کا نام تجویز کیا۔ (جن کی کتاب "الجہاد فی الاسلام" وہ پڑھ چکے تھے)۔ نیازی صاحب نے اقبالؒ کے حسب ہدایت مولانا مودودیؒ کو ایک مفصل خط لکھا' بعدازاں خود چودھری صاحب نے رابطہ قائم کیا' خط کتابت ہوئی اور اس کے نتیجے میں' مولانا لاہور آکر اقبال سے ملے' بالآخر دکن سے پٹھان کوٹ منتقل ہو گئے (ص ۱۰۳-۱۰۵)۔

تنقیدی حصے میں اقبالیات کے بعض اہم موضوعات پر مضامین شامل ہیں' مثلاً اقبال اور حکمائے فرنگ' خودی' اقبال کی عظمت فکر' قرآن مجید کے حقوق اور علامہ اقبال' علامہ اقبال اور ختم نبوت' اقبال اور اسلامی ثقافت کی روح' وغیرہ۔

مولف نے نیازی مرحوم کے آثار اقبالیات کی جمع و تدوین میں خاصی محنت و کاوش کی ہے۔ متن' خصوصاً اشعار کی اغلاط' قرآنی آیات کے حوالے اور آیات کے تراجم کی تصحیح کی' مضامین پر حواشی و تعلیقات فراہم کیے اور بعض اشعار کی تخریج بھی کی ہے۔ ابتدا میں "نذیر نیازی: ایک اقبال شناس" کے عنوان سے ایک مقدمہ شامل ہے' جس میں نیازی صاحب کے حالات زندگی' ان کے علمی آثار اور اقبالیات پر ان کی تصانیف کا تعارف کرایا گیا ہے--- بحیثیت مجموعی یہ کتاب' غیرمدون تحریروں کی ایک مستحسن کوشش اور اقبالیات کے ذخیرے میں ایک خوش گوار اضافہ ہے۔ (ر - ہ)

مجلہ **سیارہ** (ماہنامہ) ' مدیر اعلیٰ: نعیم صدیقی۔ پتہ: ایوان ادب' اردو بازار' لاہور۔ خاص شمارہ: ۴۱' ستمبر ۱۹۹۶۔ صفحات: ۲۶۴۔ قیمت: ۷۲ روپے۔

کئی ماہ کے وقفے کے بعد' "سیارہ" کا تازہ شمارہ' نئے پرانے لکھنے والوں کی بہت سی دلچسپ تحریروں کے ساتھ منظرعام پر آیا ہے۔ جناب نعیم صدیقی نے "جبریت" کو اداریے کا موضوع بنایا ہے۔ ان کے خیال میں انسان اور انسان کے درمیان ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑنا ادب کا فرض ہے۔ یہ رشتہ اس وقت تک استوار نہیں ہو سکتا جب تک قوی آدمی ضعیف کے لیے شفقت کا رویہ اختیار نہ کرے اور ضعیف آدمی کے دل سے قوی آدمی کے جبر کا خوف دور نہ ہو جائے۔

حسب روایت، اس شمارے میں بھی حمد، نعت، غزل، مقالات، افسانوں اور طنز و مزاح کے ذیل میں عمدہ تحریریں جمع کی گئی ہیں۔ "کلام اقبال کی تدوین" (رشید حسن خان)، بشیر ساجد سے ایک گفتگو، محمود عالم قریشی کی خود نوشت، نسیم حجازی پر ایک مختصر گوشہ اور طنز و مزاح کے حصے میں پروفیسر آسی ضیائی، سلمیٰ یاسمین نجمی اور اشفاق احمد ورک کی کاوشیں خاص توجہ کی مستحق ہیں۔ لطیف الزماں نے سوال اٹھایا ہے کہ اکادمی ادبیات پاکستان کے تحت دسمبر ۱۹۹۷ میں غالب پر دو سو واں جشن منانے کے لیے جو کمیٹی بنائی گئی ہے اس کے اراکین میں کتنے اصحاب "غالب شناس" ہیں؟ جشن کے ضمن میں انھوں نے بعض مفید تجاویز بھی پیش کی ہیں۔ محمود عالم قریشی نے اپنے زمانہ معلمی (اسلامیہ کالج لاہور) کی یادداشتوں میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تدریس دینیات کا ذکر کیا ہے۔ بتاتے ہیں کہ مولانا اعزازی معلم تھے اور درس و تدریس کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے البتہ تانگے کا کرایہ (آٹھ آنے) کالج کے ذمے تھا۔ مولانا اپنے لیکچر میں انگریزی کا ایک لفظ بھی استعمال نہیں کرتے تھے۔ قریشی صاحب اپنا یہ مشاہدہ بھی بیان کرتے ہیں کہ مولانا کالج لائبریری سے معاشیات و سیاسیات وغیرہ پر انگریزی کتابیں مطالعے کے لیے لے جاتے، بہ غور مطالعہ کرتے اور جگہ جگہ نشان لگا دیتے۔۔۔ جناب علیم ناصری نے جعفر بلوچ صاحب کی تصنیف "اقبال اور ظفر علی خان" پر تبصرے کے ضمن میں علامہ اقبال سے "ایکس شاعر" کی نظموں کے انتساب کو مشکوک قرار دیا ہے۔ انھوں نے ماہرین اقبالیات کو اس مسئلے پر تحقیق مزید کی دعوت دی ہے۔ "محفل غائبانہ" میں پروفیسر اسرار احمد سہاوری، جناب مقبول الٰہی اور جناب فضل معبود کے طویل تبصرہ نما خطوط دلچسپ اور معلومات افزا ہیں۔

معاصر ادب اور مختلف اصناف میں ہونے والی تازہ کاوشوں، ادبی رجحانات اور مباحث و صورت احوال سے باخبر ہونے کے لیے یہ ایک عمدہ دستاویز ہے۔ (ر۔ ہ)

فی ظلال القرآن، جلد چہارم۔ سید قطب۔ ترجمہ: سید معروف شاہ شیرازی۔ ناشر: ادارہ منشورات اسلامی، بالمقابل منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ صفحات: ۸۵۴۔ قیمت: ۳۲۵ روپے۔

سید قطب کی شہرہ آفاق تفسیر قرآن کی چوتھی جلد پیش نظر ہے۔ یہ جلد پارہ ۱۳ سے ۱۹ تک کے ترجمہ و تفسیر پر مشتمل ہے۔ پہلی تین جلدوں پر، انھی صفحات میں تبصرہ آچکا ہے۔ یہ جلد بھی، حسب سابق اچھے معیار پر شائع کی گئی ہے اور ضخامت کے مقابلے میں ہدیہ بہت مناسب ہے۔ (ر۔ہ)